سید محمد یونس بخاری

شاہ جی اور خطۂ گجرات

پرسوں کی "اودے نگری" کل کا "اکبر آباد" اور آج کا "گجرات" بقول سرسید "خطۂ یونان" ہے۔ یہ بڑی مردم خیز دھرتی ہے۔ ہمہ نوعی گرانڈیل اور شہرۂ آفاق شخصیات کا خمیر اس دھرتی سے اٹھا، یا ان کی اس سے نسبت رہی۔ ان میں استعماریت کے قد آور ایجنٹ بھی تھے اور استخلاصِ وطن کی جدوجہد میں ہمہ تن معروف جگرداربھی۔ علماء، فضلاء، ادباء، شعراء اور سیاستدانوں کی ایک لمبی ڈار اپنے اپنے پسندیدہ محاذ پر معروف کار تھی۔ ایک طرف چودھری فضل علی خان آف اَجنالہ، تاج برطانیہ کے ساتھ وفاداری بشرطِ استواری رکھ کر "سر" کا خطاب لئے نئی نئی نوابی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ مدینہ سیداں، کھنا نوالی اور مرالہ سے خانوادۂ سادات کے کئی ایک چشم و چراغ بھی سر فضل علی کے نقش قدم پر چل کر "ننگ دیں ننگ وطن" بن چکے تھے۔ تو دوسری طرف حضرت پیر فضل گجراتی، حکیم عبداللطیف عارف، ڈاکٹر عبدالقادر قریشی اور ان کے احباب لوگوں میں قیدِ افرنگ سے نجات کے لئے ولولہ تازہ پیدا کر رہے تھے۔ ان حریت کیش رفیقوں کے سپریم کمانڈر سادات کرام ناگڑیاں کے عظیم سپوت خطیب الامت، بطلِ حریت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ پیر فضل حسین گجراتی بلاشبہ اپنے دور میں پنجابی کے استاد الشعراء تھے۔ اپنے طوفانی اسفار کے دوران شاہ جی جب گجرات تشریف لاتے حضرت پیر جی سے ان کی ملاقات از بس لازم ہوتی۔ عالمی استعمار کا سب سے بڑا باغی، برصغیر کا جید عالم دین، ممتاز ادیب، شعلہ نوا خطیب، شاد عظیم آبادی کا شاگرد رشید صاحب طرز شاعر جب پنجابی زبان میں نظم و غزل کے شاعر ہفت اقلیم کے ساتھ بزم آراء ہوتا ہوگا تو کیسا منظر ہوگا۔ راقم کو حضرت پیر صاحب کے ایام آخر میں ان کی خدمت کرنے اور ایسی یادگار زمانہ محفلوں کے تذکار سننے کا موقع ملا۔ ہر طویل واقعہ سنانے کے بعد وہ بچشم نم بے اختیار فرماتے۔

"بائے بائے! پترا کی دساں، شاہ جی ورگا سخن ور تے سخن فہم میں پوری حیاتی وچ نئیں ڈٹھا۔ او تے اللہ میاں دی ٹردی پھردی نعمت سن"۔

پیر صاحب کا ایک شعر ہے۔

سخنور ہر دور وچ کوئی نہ کوئی
رب بخشدا رہیاسے گجراتیاں نوں

فی الحقیقت حسب حال ہے۔ گجرات شہر سے پچیس کلو میٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی گمنام بستی "ناگڑیاں" آج چاردانگ عالم میں مشہور۔ صرف ایک شخص کے طفیل جو اقلیم خطابت کا شہنشاہ ایک قلندر کی طرح مرد خود آگاہ....... ایک سرمست درویشِ خدا....... امتِ مسلمہ کا ہر گھڑی خیر خواہ....... استعمار کے

مقابل ہمرد تیغ زباں سید جنگاہ....... مثلِ خرام صبا....... بلبل رنگیں نوا....... دِل میں عشقِ پیغمبر آخریں رچا....... لاجرم! وہ شیر وغا....... وہ سید آتش نوا....... انگریز اس کے خوف سے لرزیدہ پا....... وہ صاحب صدق وصفا ہستی ہے سید عطاء اللہ شاہ....... خطہ گجرات اس کے نام پر نازاں اور ہر صاحب بصیرت اس کے ذکر پر شاداں و فرحاں۔

پیر صاحب نے بتایا گجرات شہر میں مسلمانوں کے سب سے پہلے تعلیمی ادارے "آزاد مسلم ہائی سکول" کے قیام کا مرحلہ درپیش تھا۔ شاہ جی گجرات میں خاصا وقت دے رہے تھے....... کبھی حکیم عارف مرحوم کے ہاں اور اکثر حاجی غلام سرور کاشمیری کے گھر خاصی محفلیں لگتیں....... ۱۹۳۵ء میں غالباً سکول کا سنگ بنیاد رکھنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ میں بھی اس تحریک میں حصہ دار تھا....... سرور کاشمیری کے گھر محفل لگی۔ شیخ کرامت اللہ مرحوم نے کہا "حضرت جی: پیر ہوری وی آئے ہوئے نیں"۔ یہ سنتے ہی سید صاحب نے ایک خاص ترنگ میں آ کر کہا "پیرا! اج تے گڑ گنج مچن گے۔ کجھ ہو جائے فیر۔" میں نے اپنی تازہ غزل سنانا شروع کی۔

دسنوں سوز فرقت نے بخشے نے جھیڑے او چھالے تے بیشک چھپاندا رواں دا
کدوں تیک پیواں دا اتھرو میں اپنے کدوں تیک ہو کے دباندا رواں دا
میں ہاں تیری نازک مزاجی دا جانوں، دل ہتھوں برے طور مجبورہاں میں
میں دستک دی تکلیف دیندا رواں دا میں آواز دے کے بلاندا رواں دا
دل اپنا خوشی نال دے کے کسے نوں کوئی ہور ہی ہون گے رون والے
میں ہاں فضل نقے تری دلبری دے جدوں تیک جیواں دا گاندا رواں دا

غزل ختم کر کے میں نے دیکھا شاہ جی عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ یک دم میرا ہاتھ پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور کہا۔

"پیر جی ایہہ تے اساں فقیراں دا ای حال احوال کہہ چھڈیا جے پر ایہہ تے دسو تہانوں میری کہانی کیویں لبھی: پر چھڈو! تسی کجھ ہور سناؤ"

ان کی زباں سے نکلی ہوئی ہر بات میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ میں نے مجموعی طور پر آٹھ غزلیں اور دس دوہے سنائے یہ سب کچھ انہوں نے تین تین چار چار دفعہ سنا، بے ساختہ داد دیتے دیتے ان پر رقت طاری ہو جاتی اور محفل میں بیٹھا ہر شخص نم دیدہ ہو جاتا۔ آزاد سکول کے افتتاح والے دن تو عجیب تماشا ہوا مجھے حکم ہوا نعت سناؤ۔ میں نے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں نعت کا آغاز کیا۔

بھلیو بھلی نے ایس جہان اندر بھلے نیں پر میری سرکار ورگے"

شاہ جی کی آواز آئی "فیر آکھو" میں نے پھر پڑھا پھر صدا بلند ہوئی "اک وار فیر پڑھو" میں نے پھر

پڑھتے ہوئے مڑ کے دیکھا تو شاہ جی کا چہرہ آنسوؤں سے تر، ہچکی بندھی ہوئی اور حکم دیا کہ بس یہی پڑھتے جاؤ اور میں بار بار یہی مصرعہ پڑھتا رہا۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے شاہ جی کو بازوؤں میں لے لیا وہ بچوں کی طرح رونے لگے۔ شیخ عطاء محمد نے مجھے اشارہ کیا اور میں سٹیج سے اتر آیا۔ شیخ عطا محمد مرحوم ان دنوں انجمن کشمیریاں گجرات کے چیئرمین تھے اور مسلمانوں کے اس اکلوتے ادارے کے لئے انہوں نے یہ جگہ اپنی انجمن کی طرف سے بطور عطیہ دی تھی۔ سکول میں لگی سنگ مرمر کی تختی آج بھی اس کی شاہد ہے۔

شاہ جی کے ایک انتہائی عقیدت مند تھے مولوی عبداللطیف افضل ان کا نام تھا۔ پنجابی کے شاعر تھے مزاحیہ شاعری بھی کرتے تھے۔ آجکل کے ممتاز مزاح نگار پروفیسر انور مسعود کے شاید حقیقی ماموں تھے۔ حضرت پیر صاحب نے بتایا کہ ان کی بیٹھک میں ایک دفعہ زبردست انجمن آرائی ہوئی، مولوی صاحب نے مرزا قادیانی کے متعلق اپنی نظمیں اور انگریزوں کے خلاف چومصرعے سنا کر خوب داد و تحسین حاصل کی۔ حکیم عارف صاحب استاد امام دین کو بھی ہمراہ لائے تھے انہوں نے فرنگیوں کے متعلق کئی نظمیں سنائیں جن سے تمام اہل محفل بہت محظوظ ہوئے۔ شاہ جی کی داد کی وجہ سے یہ نظمیں گجرات کے بچے بچے کی زباں پر آ گئی تھیں۔ پھر اچانک استاد امام دین نے انگریز کے خلاف لکھنا چھوڑ دیا بلکہ پہلے والی نظموں کی بابت بھی یہ کہہ دیا کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا اپنا بھی نوابزادہ چودھری مہدی علی خان مرحوم سے بڑا گہرا دوستانہ تھا مگر میں عمر بھر استعماریت کا ہمنوا نہ ہوسکا۔ بہر حال میں نے بھی اس محفل میں اپنی غزل سنائی۔

اوہلے وچ جس دے ہونڈیاں نے غرضاں اوہ الفت ٹھیک نئیں
جس یاروں کڈھے جاندے نے مطلب اوہ چاہت ٹھیک نئیں
میں بے بہاری بارش دے آونے دا مطلب تاڑ گیاں
ایہہ توبہ میری بھنے گی بارش دی نیت ٹھیک نئیں
بیمار ترے نوں دیکھ کے تے پئے آکھن والے آندے نیں
اللہ دے رنگ نیارے نے پر ظاہری حالت ٹھیک نئیں
اے واعظ ذوق تہاڈے نوں کی نور نمازی آکھن دے
ہر جمعے کہانی حوراں دی پا بہناں حضرت ٹھیک نئیں

پیر صاحب نے کہا کہ ان اشعار پر وارثان منبر رسول خاص طور پر مجھے سخت کوسنے دے رہے تھے مگر حضرت امیر شریعت نے جس طرح داد دی اور میرا حوصلہ بڑھایا اس کی مثال نہیں ملتی۔ کیونکہ شاہ جی کی

بقیہ ص ۲۲ پر